eISSN: 2791-0342
pISSN:2791-0334

بانو قدسیہ اور اشفاق احمد کے افسانوں میں "جذبات محبت" کا تقابلی جائزہ

A Comparative Analysis of "Emotions of Love" in the Fiction of Bano Qudsia and Ashfaq Ahmad

اقبال حسین
ایم۔فل اُردو اسکالر، لاہور لیڈز یونیورسٹی، لاہور

Iqbal Hussain
MPhil Urdu Scholar, Lahore Leads University, Lahore

Abstract:

In this Article I have presented the comparison of love in the fictions of Ashfaq Ahmed and Bano Qudsia. Generally speaking, the themes of both fiction writers are quite similar. Yes, the way of describing and presenting them is definitely different. Ashfaq Ahmed has presented love in every relationship of life. He not only describes the love of man and woman, but he also presents the love of parents and children, the love of humans and animals in his fiction. Love is also an important topic for Bano Qudsia. Love of husband and wife and the wrong attitude of man to woman is an important topic for Bano Qudsia.

Keywords: Ashfaq Ahmad, Bano Qudsia, Short Stories, Urdu Literature

محبت انسان کا دوسرا نام ہے۔ انسان کا لفظ انس سے نکلا ہے۔ جس کا مطلب پیار اور محبت ہے۔ ہر دور میں محبت کو بہت حسن اور دل آویزی میسر آتی ہے۔ ادیبوں نے محبت کے جذبات کو اپنی تحاریر میں بطور خاص جگہ دی ہے اور اردو افسانہ میں محبت کی گہری چھاپ ہر دور میں نمایاں رہی ہے۔ بعض افسانہ نگار فطرت کی دل آویز رنگینیوں کو محبت سے تعبیر کرتے ہیں تو بعض عشق حقیقی کی سیڑھی کے طور پر جانتے ہیں۔ اکثر افسانہ نگار اسے مجازی عشق کے روپ میں دیکھتے ہیں اور دوسرے انسانوں کو خوش رکھ کر محبت حاصل کرنے والے افسانہ نگار کی تعداد بھی کم

نہیں ہے۔ ہر افسانہ نگار اپنے انداز اور نظریہ سے محبت کی تعریف و توصیف کرتا ہے۔ اشفاق احمد اور بانو قدسیہ کی افسانہ نگاری میں جہاں اور بہت سے رنگ اپنی پوری چمک دمک اور کشش سے جگمگا رہے ہیں وہاں محبت کی دھیمی دھیمی اور پُر سکون روشنی بھی بڑی دل آویزی سے چمک رہی ہے۔

اشفاق احمد نے اپنے افسانوں کے لیے موضوعات عام زندگی سے ہی لیے ہیں اور زندگی کے مختلف پہلوؤں کو فنی سنجیدگی کے ساتھ پیش کیا ہے۔ اگر اشفاق احمد کے افسانوں کے موضوعات کو سمیٹا جائے تو ان کی ادبی دنیا انسانی رشتوں اور ان کے درمیان "محبت" پر مبنی نظر آتی ہے۔ لیکن یہ محبت ہمیں عورت اور مرد کے عشق و عاشقی تک محدود نظر نہیں آتی بل کہ یہ محبت دو انسانوں کے بیچ استوار ہوتی ہے۔ جیسے داؤ جی کی اپنے شاگرد سے محبت، بابا کی اپنے پوتے سے محبت دو مختلف قوموں سے تعلق رکھنے والے پتاجی اور ابا جی کے گھرانوں کے درمیان دوستی کا بہترین رشتہ، ٹی۔ بی وارڈ میں بیٹرس کی اپنے مریضوں سے محبت اور احسان کی اپنے کتے جیکی سے محبت، اسی طرح باپ کی اولاد سے محبت، ایلین کی اپنے جانوروں سے محبت، بہن بھائیوں کی محبت، نانی کی اپنے نواسوں سے محبت، ماں کی اپنے بچوں سے محبت اور بیوی کی اپنے خاوند سے محبت کو منفرد انداز میں بیان کیا ہے۔ گویا اشفاق احمد نے اپنے افسانوں میں محبت کو نئی جہتوں اور نئے زاویوں کے ساتھ بیان کیا ہے۔ ان کے بیشتر افسانوں میں محبت کی کارفرمائی نظر آتی ہے۔ لہٰذا یہ کہا جا سکتا ہے کہ ان کا کوئی بھی افسانہ اس جذبے کی عکاسی کے بغیر مکمل نہیں ہوتا۔

اسی طرح اگر بانو قدسیہ کے افسانوں کا بغور جائزہ لیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ بانو قدسیہ نے اپنی افسانہ نگاری کا آغاز ہی رومانوی افسانہ نگاری سے کیا ہے۔ ان کے اکثر افسانے میاں بیوی کی محبت پر مبنی ہیں۔ بانو قدسیہ کے افسانوں میں بھی محبت کے کئی رنگ نظر آتے ہیں۔ بانو قدسیہ کے ہاں بھی محبت صرف مرد اور عورت تک محدود نظر نہیں آتی بل کہ محبت کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ محبت کائنات کا طاقتور ترین جذبہ ہے تاہم بانو قدسیہ کے ہاں یہ جذبہ محض جذباتی سطح پر پنپتا ہوا محسوس نہیں ہوتا بل کہ وہ اسے حیات و کائنات کے اسرار و رموز کے ساتھ منطق کر کے پیش کرتی ہیں۔ اس لیے ان کے افسانوں میں معصوم اور معطر محبت معاشرتی قدروں کے ساتھ ہم آہنگ ہوتی ہوئی نظر آتی ہے۔

بانو قدسیہ محبت کو خارجی پہلو سے قطع نظر داخلی پہلو کے حوالے سے بیان کرتی ہیں۔ ان کے افسانوں میں ہر محبت کرنے والا صنفِ مخالف کے لمس کا متلاشی نظر آتا ہے۔ یہ جنسی پیشکش بعض اوقات ان کے افسانوں میں ہوس ناکی کے رجحان کو فروغ دیتی ہے اور ایسا محسوس ہوتا ہے گویا ہر شخص اس دنیا میں محض جنسی ہوس کا متمنی ہے اور دنیا میں اس کی دلچسپی کا اور کوئی محور نہیں ہے۔ "کاغذی ہے پیرہن" میں دیور اور بھابھی کے درمیان قائم ہوس پرستی کے تعلق کو بانو قدسیہ نے بیان کیا ہے۔

اشفاق احمد کا پہلا افسانوی مجموعہ "ایک محبت سو افسانے" ہے۔اس مجموعے کا پہلا افسانہ "توبہ" ہے۔یہ افسانہ محبت کے موضوع سے متعلق ہے۔اس میں زندگی کے بالکل عام اور سیدھے سادے واقعہ کو کہانی کی شکل میں پیش کیا گیا ہے جس میں کہانی کا مرکزی کردار جو سگریٹ نوشی میں مبتلا ہے، سگریٹ چھوڑنے سے متعلق تمام احکامات کو ٹھکرانے کے بعد کہانی کی ہیروئن "لیکھا" کی محبت میں اتنی کشش محسوس کرتا ہے کہ اس کے ایک بے نام اشارے پر سگریٹ کا پیکٹ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے پھینک دیتا ہے۔اشفاق احمد لکھتے ہیں:

> "وہ جانے لگی تو میں بے چین ہو گیا۔بس؟ میں بولا اور جیب سے سگریٹ نکال کر سلگایا۔وہ ٹھہر گئی۔یہ سلیٹی پنسلیں نہ چھٹ سکیں آپ سے۔پتہ نہیں ان میں کیا مزہ ہے۔یہ کہہ کر وہ چل دی اور پھر نہ رکی۔نہ ہی میں نے روکا۔مزے سے سگریٹ پیتے گیا۔"(۱)

درج بالا اقتباس سے واضح ہو جاتا ہے کہ افسانے کی ہیروئن کس طرح معمولی سگریٹ کے خلاف رویہ دکھاتی ہے اور یہ بات ہیرو کو سگریٹ نوشی سے باز رکھنے کے لیے کافی ہوتی ہے۔اس طرح اشفاق احمد کا پہلا افسانہ ہی محبت کی شدت کو پیش کرتا ہے۔کہانی اتنی خاص نہیں ہے مگر اشفاق احمد نے محبت کے جذبے کو بڑے اچھے طریقے سے بیان کیا ہے۔یہی وجہ ہے کہ افسانے کے کردار اور ان کی معصوم محبت قاری کو متاثر ضرور کرتی ہے۔

اسی طرح محبت کی چھوٹی سی چنگاری بانو قدسیہ کے افسانے "چابی" میں نظر آتی ہے جو بعد میں تمام عمر آگ بھڑکانے کے لیے کافی ہوتی ہے۔اشفاق احمد کی نسبت بانو قدسیہ کے یہاں محبت کے جذبات میں شدت ضرور ہے مگر جذبات دبے دبے سے نظر آتے ہیں۔بانو قدسیہ افسانہ "چابی" میں لکھتی ہیں:

> "ایسے کئی واقعات ہر انسان کی زندگی میں سے ہو کر گزرے ہیں۔ان ننھی ننھی موج دار وارداتوں کا گھاؤ آپ ہی آپ وقت مندمل کر دیتا ہے۔لیکن یہ کون جانتا ہے کہ چاندی کے چمکتے چھلے میں ایک ایسی منہ بند چابی بھی ہے جسے گھماتے گھماتے سلمیٰ کبھی بہت دور جا نکلتی ہے اور اس کا چھوٹا سا بچہ اس کی ٹھوڑی پکڑ کر پوچھتا ہے کیا بات ہے امیّ؟ اور وہ چابی کو مٹھی میں بھینچ کر کہتی ہے کہ کچھ بھی نہیں۔۔۔۔۔کچھ بھی نہیں میرے لال۔"(۲)

درج بالا اقتباس میں سلمیٰ تمام عمر محبت میں سلگتی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔بانو قدسیہ کے ہاں محبت کی چنگاری مدھم سی معلوم ہوتی ہے مگر وہ مدھم سی چنگاری ایسی بھڑکتی ہے کہ آگ بجھ جانے پر بھی دھواں موجود رہتا ہے اور سمیلیٰ منظور کے اٹیچی کی چھوٹی سی چابی کو تمام عمر سنبھال کر رکھتی ہے۔بانو قدسیہ کے ہاں محبت کے جذبات مسلسل نظر آتے ہیں۔

اشفاق احمد کے ہاں رومانوی افسانوں کی کمی نہیں ہے۔ افسانہ "رات بیت رہی ہے" میں ماضی کو دلچسپ یادوں کے حوالے سے جنگ کے کینوس پر محبت کا تاثر قائم کیا گیا ہے۔ کہانی کا مرکزی کردار جو اپنی محبوبہ سے محاذِ جنگ پر موجود ہے۔ محاذ پر جانے سے پہلے وہاں کے حالات کو گزرے ہوئے واقعات کو پہلو بہ پہلو اس طرح پیش کر رہا ہے کہ کہانی میں ایک ساتھ دو متضاد تاثر ابھرتے ہیں۔ ایک جنگ کا، دوسرا محبت کا۔

یہاں جنگ کے کینوس پر محبت کے جذبے کو پیش کرنے کا مقصد یہ ہے کہ محبت کا جذبہ زیادہ نمایاں ہو سکے۔ اس کہانی میں بظاہر یہ لگتا ہے کہ ہیرو میدانِ جنگ میں بیٹھا اپنی محبوبہ کو خط لکھ رہا ہے مگر آگے چل کر پتا چلتا ہے کہ وہ خط لکھنے سے پہلے کی صورت حال بیان کر رہا ہے۔ اس افسانے میں بھی اشفاق احمد نے محبت کے جذبے میں شدت دکھائی ہے۔ پیٹر فوج میں بھرتی صرف اس لیے ہوتا ہے کیوں کہ اس کی محبوبہ یہ چاہتی ہے کہ وہ اچھا پائلٹ بنے۔ یہاں اشفاق احمد نے پیٹر کا مکمل عاشقانہ مزاج یوں بیان کیا ہے:

> "میں نے مارگریٹ کی وہی تصویر نکالی۔ پیٹر نے دھندلی نگاہوں سے دیکھا اور بولا:۔۔۔۔۔ اسے میرے قریب تو کرو اور جب میں نے اسے قریب کیا تو بولا۔ ذرا اور نزدیک۔ اس کے بعد اس نے کہا مارگریٹ نے مجھے کہا تھا کہ مرد فوج میں بھرتی ہونے کے لیے پیدا ہوتے ہیں۔ دیکھو میری ٹوپی پہن کر وہ کس قدر خوش نظر آتی ہے۔ اسے ہوائی فوج سے بڑا اُنس تھا۔ اس کی تمنا تھی کہ میں ایک اچھا پائلٹ بن سکوں میں پائلٹ بن تو گیا مگر شاید اچھا نہیں۔ وہ اکثر کہا کرتی تھی کہ جب تم وردی پہن کر میرے ساتھ پرنستن کی گلیوں میں چلا کرو گے تو ہر بری و بحیر فوجی ہمیں سلام کیا کرے گا۔ کاش اس کی یہ آرزو پوری ہو سکتی۔"(۳)

درج بالا اقتباس سے واضح ہوتا ہے کہ پیٹر فوج میں بھرتی صرف اس لیے ہوتا ہے کیوں کہ مارگریٹ کو پسند ہوتا ہے۔ یہاں پر اشفاق احمد محبت کے جذبے کی شدت کو بیان کرتے ہیں کہ محبوب کی خوشی کے لیے ایئر فورس جوائن کی اور پھر زندگی ہار جانا ایک عاشق کے ہی کارنامے ہو سکتے ہیں۔ اس کہانی میں دو کرداروں کے درمیان پیدا ہونے والی محبت اور ماضی کے حسین لمحات میں قاری بھی شامل ہو جاتا ہے اور مطالعے کے دوران وہ فرسودگی بھی محسوس نہیں کرتا جو رومانوی کہانیوں سے منسوب ہے بل کہ اندازِ بیان کی خوبی کہانی کی دلچسپی میں اضافے کا باعث ہوتی ہے۔

دوسری طرف اگر ہم بانو قدسیہ کے افسانوی مجموعوں کو دیکھیں تو ہمیں ایسی کئی کہانیاں مل جائیں گی جہاں عاشق محبوب کے سامنے بے بس نظر آتا ہے۔ افسانہ "باپ پرست" میں نجم عرف نجو جو کسی کی نہ سننے والا لڑکا ہوتا ہے اور اپنی ہر بات کو اپنی مرضی سے پورا کرتا تھا۔ مگر جب

اس کا سامنا ایک عام سی لڑکی تہمینہ سے ہوتا ہے اور وہ اس سانولی اور چھوٹے قد کی لڑکی کی محبت میں گرفتار ہو کر بالکل بھیگی بلی بن جاتا ہے اور مورنی کے آگے کبھی بول نہ سکا۔ وہ اس کی توجہ اور محبت حاصل کرنے کے لیے سب کچھ کرنے کو تیار کھڑا رہتا ہے۔ بانو قدسیہ لکھتی ہیں:

> "میں نے بازو بڑھا کر مورنی سے کہا۔ ذرا پاؤڈر دے دیجئے۔ وہ دو قدم پیچھے ہٹ گئی اور بھڑک کر بولی۔۔ رے واہ اس گھر کا عجیب دستور ہے۔ بڑے بچوں سے بھی پہلے اپنی ضرورت منواتے ہیں۔ کلثوم بہری ہنس کر بولی اسے دے دو۔۔۔ مُنے کو بعد میں لگا دیں گے۔ اس نے ڈبہ پشت کی جانب کر لیا۔۔۔ ناں بھابی۔۔ پہلے منا پھر کوئی اور۔۔۔۔ کوئی اور ہوتی تو میں ڈبہ چھین کر لے اڑتا۔ لیکن اس کے سامنے تو جیسے میں سب کچھ بھول جاتا تھا۔ اندر ہی اندر کھولتا، طیش میں آتا لیکن نہ ہاتھ چلتے نہ زبان۔ میری خاموشی دیکھ کر کلثوم بولی۔۔۔۔۔ اللہ تہمینہ سے تو نجو کی جان جاتی ہے ہر فرعون راموسیٰ ساری عمر ہمیں ڈراتے دھمکاتے رہے اور اب بولو ناں اس کے سامنے۔"(۴)

درج بالا اقتباس سے ہم محبت کے جذبات کی شدت اور محبوب کی مرضی کے آگے سر تسلیم خم کرنے کا اندازہ نجو کی کیفیت سے لگا سکتے ہیں۔ نجم جو کسی کہ نہ سنتا تھا اپنی من مانی کرتا تھا مگر مورنی کے آگے اس کی چپ اور مورنی کے آگے ہتھیار ڈالنے سے محبت کی شدت کا اندازہ ہوتا ہے۔

اشفاق احمد کے افسانہ "توتا کہانی" میں بھی رومانیت کا عنصر شامل ہے۔ لیکن اس افسانے میں محولہ بالا افسانوں میں پیش کی گئی رومانیت سے الگ ہٹ کر اس ازلی محبت کو پیش کیا گیا ہے جو عورت اور مرد کے درمیان ابتدا سے موجود ہے۔ کہانی کے مرکزی کردار حامد اور خجستہ اسی جذبۂ عشق کی نمائندگی کرتے ہیں۔ وہ ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں لیکن ان کی محبت میں قنوطیت، جنون یا دیوانگی کے بجائے ایک دوسرے کے لیے عزت کا جذبہ موجود ہے۔ مثلاً جس وقت ان کی محبت میں اظہار کا عنصر شامل ہوتا ہے، خجستہ اپنی رسوائی کے خوف سے موت کو اپنا لینا چاہتی ہے لیکن حامد خجستہ کی عزت کی خاطر خود مینار کی بلندی سے نیچے کود جاتا ہے۔ اشفاق احمد اس ازلی محبت کے جذبات کو اس طرح بیان کرتے ہیں:

> "آسمان پر جب میری روح نے تمھاری روح سے کہا کہ زمین پر پہنچ کر ہم ایک دوسرے سے ہم آغوش ہونگی تو تمھاری روح، روح القدس کے پروں کی طرح پھڑ پھڑائی اور تم مجھے لنکا کی پہاڑیوں میں ڈھونڈتی رہیں۔ اور آج جب ہم اس مینار پر ایک دوسرے کے سامنے کھڑے ہیں تو تم مجھے پہنچاننے سے معذوری ظاہر کر رہی ہو۔"(۵)

اس افسانے کے آخر میں جو الفاظ درج ہیں وہ ملاحظہ ہوں:

"ایک عصمت مآب لڑکی کی عفت اور عزت بر قرار رکھنے کے لیے میں مینار کی بلندی سے نیچے کود گیا۔"(٦)

اس افسانے میں اس حقیقی محبت کو پیش کیا گیا ہے جس میں ایثار و قربانی کا جذبہ موجود ہوتا ہے اور ابتدائے عشق سے ہی یہ جذبہ کار فرما ہے۔بظاہر یہ ایک عشقیہ کہانی ہے جس کو داستانوی انداز میں پیش کیا گیا ہے۔لیکن کہانی کے بہ نظر غائر مطالعے سے واضح ہوتا ہے کہ یہاں صرف حامد اور خجستہ کی محبت نہیں بیان کی گئی ہے بل کہ ان کے ذریعے بابا آدم اور حوا سے لے کر آج تک جتنے بھی انسان اس جذبہ عشق سے گزرے ہیں ان کی محبت کو بیان کیا گیا ہے۔

اسی طرح اگر ہم بانو قدسیہ کے افسانے "امر بیل" کو دیکھیں،اور اس کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ بانو قدسیہ نے بھی افسانہ "امر بیل" میں محبت کے سچے جذبات کو بیان کیا ہے۔زری کی محبت آصف کے لیے بالکل ویسی ہی ہے جیسی خجستہ کے لیے حامد کی۔زری آصف کی عزت کو بچانے کے لیے اپنی محبت اور اپنی جان کی قربانی دے دیتی ہے۔زری کو جب آصف سمجھاتا ہے کہ وہ بہت چھوٹی ہے اور اس کے باپ اقبال کے ساتھ آصف کے دوستانہ تعلقات ہیں جن پر وہ کسی صورت آنچ نہیں آنے دے سکتا تو زری اپنی محبت کو اپنے اندر بند کر لیتی ہے اور ایسی چپ ہوتی ہے کہ خود کو اندر ہی اندر ختم کر لیتی ہے۔بانو قدسیہ لکھتی ہیں:

"سنو زری میں تمھاری محبت کی عزت کرتا ہوں لیکن ابھی تم بچی ہو یہ دور گزر جائے گا تم خود اس جذبے پر ہنسو گی۔ بچپن سے سبھی اس طرح محبت کرتے ہیں لیکن اقبال میرا جگری دوست ہے۔ہم دونوں چاہے برسوں نہ ملیں ہماری دوستی بہت گہری ہے۔میں ایک خاص اعتماد پر یہاں آتا ہوں۔ تمھاری آنکھیں بند تھیں اور پلکوں سے بھری برسات ٹوٹ رہی تھی۔تم نے آنکھیں کھول دی۔ آنسوؤں سے لبالب بھری آنکھیں،میں بھاری قدم اٹھاتا باہر آیا اور کار میں بیٹھا اور پورچ سے رخصت ہو گیا۔کاش میں پلٹ کر ایک بار تمھیں دیکھ ہی لیتا۔رات کو پونے دو بجے مجھے اقبال کا فون ملا۔جب میں ہسپتال پہنچا تو اقبال باہر ٹہل رہا تھا۔بڑی دیر لگا دی تم نے آصف۔"(٧)

"امر بیل" میں زری اور "توتا کہانی" میں حامد کی موت کی وجہ سے اپنے محبوب کی عزت بچانا ہے۔بانو قدسیہ کے افسانہ امر بیل میں زری کی طرف سے محبت کے شدید جذبات کو پیش کیا ہے۔جب کہ دوسری طرف اشفاق احمد کے افسانہ توتا کہانی کا ہیرو حامد بھی اپنے محبوب کے لیے محبت کے شدید جذبات رکھتا ہے۔زری کی محبت جوانی کی منہ زور محبت ہے جو نتائج سے بے خبر ہو کر زری کو اس پُر خار وادی میں قدم رکھنے پر

مجبور کر دیتی ہے۔اس وقت وہ محبت لفظ کے مفہوم سے بھی آشنا نہیں تھی۔اس لیے اس کی یہ ناپختہ محبت آصف کے نزدیک عہدِ بلوغت کی بے نام جذباتیت ٹھہرتی ہے،جب کہ زری دل و جان سے آصف سے محبت کرتی ہے۔وہ آصف کی بے رخی برداشت کرتی رہتی ہے مگر آصف کے منہ سے کسی اور عورت کا ذکر برداشت نہیں کر پاتی اور چپ چاپ موت کی آغوش میں چلی جاتی ہے۔زری کے مرنے پر ہی اس کی محبت آصف پر آشکار ہوتی ہے اور پھر آصف کی حالت کو بانو قدسیہ اس طرح بیان کرتی ہیں:

> "میں تمھارے ڈیڈی کو کیا سمجھاتا کہ نیل کے پانیوں میں منعکس ہونے والی بتیوں کا کوئی قصور نہیں۔میں تمھارے ڈیڈی کو کیا بتاتا محبت تو امر بیل کی مانند ہے جس درخت پر اس کی زرد رو ڈالیاں چڑھ جاتی ہیں وہ درخت آپی آپ مر جاتا ہے۔میں تمھارے باپ کو سمجھاتا اور کیوں سمجھاتا۔میں تو تمھیں بھی نہ بتا سکا زری کہ تمھارے جانے کے بعد مہ رُخ کی محبت چھن جانے کے بعد مجھ پر کیا گزری۔تمھاری محبت مجھ تک مہ رخ کے توسط سے پہنچی ہے زری۔اس محبت کا تمھیں کچھ فائدہ نہیں پہنچ سکا لیکن میں نے تمھارا قرض لوٹا دیا ہے۔میرے ارد گرد امر بیل چڑھ چکی ہے۔اس میں ہائی سنتھ کے پھول کھلے ہیں۔پشیمانی کے ارغوانی پھول۔تاسف کے آسمانی پھول۔میں تمھارا قرض لوٹا رہا ہوں۔ہولے ہولے۔آنسو بہ آنسو آہ درآہ۔تمھاری محبت کی بتیاں میرے دل کے ناسپاس پانیوں میں منعکس ہو چکی ہیں زری۔لیکن میں بتیاں تمھیں نہیں دکھا سکتا۔میرا کوئی مستقبل نہیں۔میرا کوئی ماضی نہیں۔میں وہ مریض ہوں جس کی شریانوں میں کلوروفارم کا نشہ شاں شاں کر رہا ہے اور وہ آپریشن تھیٹر سے بھاگ آیا ہے۔"(۸)

افسانوی مجموعہ "اجلے پھول" میں شامل افسانہ "تنکہ" میں اشفاق احمد نے محبت کے ساتھ ساتھ سماجی مقصدیت کا بھی حسین امتزاج کیا ہے۔کہانی مرکزی کردار عطیہ اور سرور کے گرد گھومتی ہے اور ان کے درمیان پیدا ہونے والے عشق کے مختلف مراحل سے قاری کو واقف کراتی ہے لیکن کہانی کے نقطۂ عروج پر ان دو محبت کرنے والوں کے درمیان دولت کی دیوار حائل ہو جاتی ہے۔سرور متوسط درجے کا فرد ہے اور عطیہ دولت مند گھرانے سے تعلق رکھتی ہے۔ساتھ ہی وہ مشرقی ماحول کی پروردہ بھی ہے۔لہٰذا دولت کی چاہت نہ ہوتے ہوئے بھی والدین سے بغاوت کر کے اپنی محبت کو حاصل نہیں کر سکتی۔جب کہ سرور اپنی محبت اور لگن سے پیسہ حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے تاکہ عطیہ کے معیار تک پہنچ سکے۔اس طرح "تنکہ" کی کہانی جو رومان پرور ماحول میں شامل ہوتی ہے۔اپنے اختتام پر پہنچ کر سماجی نا انصافیوں کی نذر ہو جاتی ہے۔اشفاق احمد لکھتے ہیں:

"جب تک تمھارے پاس کافی روپے ہو جائیں گے تم ایک ایک پائی جمع کرتے رہنا اور دو سال بعد اپنی کار میں گاؤں آنا۔ اس وقت تو ابا جی انکار نہ کر سکیں گے۔ سرور سکتے میں آ گیا۔ اس نے اپنی انگلی کے ساتھ میز پر انیس کا ہندسہ لکھا اور پھر اس کے ساتھ چھوٹی چھوٹی صفریں بنانے لگا۔۔۔ سرور نے کچھ بولنا چاہا تو اس نے اسی طرح جھولا جھلاتے ہوئے کہا۔ قطرہ قطرہ دریا ہو جاتا ہے۔ دانہ دانہ ہو کر کھیت بھر جاتے ہیں اور پھوٹی پھوٹی سے جھیل تالاب بن جاتے ہیں۔ تم حوصلہ نہ ہارو۔ کوئی سی بھی نوکری کر لو۔ اللہ ضرور برکت دے گا۔۔۔۔۔۔ پھر تم آنا سرور۔۔۔ تم آنا میں تمھارا انتظار کرتی رہوں گی۔"(۹)

اسی طرح سرور تمام عمر عطیہ کو پانے کے لیے روپیہ جمع کرتا رہتا ہے اور انتہائی کنجوسی کے باوجود بھی عطیہ کی خواہش کے مطابق روپیہ جمع نہیں کر پاتا۔ پھر عطیہ کی شادی ہو جاتی ہے اور سرور اسی طرح روپیہ کمانے کی دھن میں لگا رہتا ہے اور اسی دیوانگی میں جان دے دیتا ہے۔

اس ضمن میں اشفاق احمد کا افسانہ "ہو نقش اگر باطل" قابلِ ذکر ہے جس میں عطیہ، اس کا خاوند ڈاکٹر صاحب اور زمبا کی کہانی بیان کی گئی ہے۔ ڈاکٹر صاحب اور عطیہ میاں بیوی ہونے کے ساتھ ساتھ دوست بھی ہیں۔ زمبا سے پہلی ملاقات سے ہی عطیہ کو بتانا شروع کر دیتے ہیں۔ عطیہ جو کہ دوست ہونے کے ساتھ ساتھ محبوب اور بیوی بھی ہے۔ جو ڈاکٹر صاحب سے بے حد محبت کرتی ہے، جب اس کو یہ محسوس ہوتا ہے کہ ڈاکٹر صاحب زمبا سے محبت کرنے لگ گئے ہیں تو عطیہ خود بار بار زمبا کا ذکر کرتی ہے۔ اس کی تعریف کرتی ہے اور اپنے محبوب کو آزادی دینے کی کوشش کرتی ہے کہ وہ اپنی مرضی اور خوشی سے زمبا کے ساتھ رہے اور تمام عمر وہ اس کوشش میں رہتی ہے۔ مگر دوسری طرف وہ بیوی ہونے کی وجہ سے یہ سب کچھ برداشت بھی نہ کر سکی اور اندر ہی اندر وہ ختم ہونے لگ گئی۔ دوسرے بچے کی پیدائش کے وقت جب عطیہ فوت ہو جاتی ہے تو لوگ اور ڈاکٹر زاسے عام حادثہ سمجھتے ہیں مگر افسانے کا ہیرو ڈاکٹر صاحب عطیہ کی موت کی اصل وجہ جانتے ہیں اور وہ بار بار اس بات کو دہراتا ہے۔ اشفاق احمد اس صورت حال کو یوں بیان کرتے ہیں:

"ہسپتال والے چاہے اسے حادثہ کہیں لیکن میں خوب جانتا ہوں۔ حالانکہ مجھ سے عطیہ نے کچھ نہیں کہا۔ حالانکہ میں نے اسے کچھ نہیں بتایا۔ حالانکہ عطیہ کے گھر آنے کے بعد زمبا افریقہ لوٹ جانے کے ارادہ رکھتی تھی۔ حالانکہ میں اور مُنا اور میرا گھر سب اس کے منتظر تھے۔۔ وہ ایک رات سسٹر کے کمرے میں گئی اور مٹھی بھر خواب آور گولیاں لے آئی جب اسے گھر آنا چاہیے تھا وہ ایک اور سفر پر روانہ ہو گئی۔۔۔۔ عطیہ نے مجھے وہ سب کچھ دیا جو ایک عورت کسی کے قدموں میں نچھاور کر سکتی ہے۔ میں نے ان دونوں سے ویسی ہی محبت کی جیسی کوئی سمندر کرتا ہے۔ اپنے پرانے

پانیوں سے اور اپنے نئے پانیوں سے۔ ہم تینوں نے کچھ نہیں کیا۔ کبھی ایک دوسرے سے نفرت نہیں کی، کسی پر الزام نہیں دھرا۔ ہم نے محبت کے زہر سے ایک دوسرے کو ختم کر دیا۔ پانی کی ایک ایک بوند سے قطرہ قطرہ ٹپکا کر۔۔۔۔(۱۰)

اگر ہم اپنے ارد گرد کا جائزہ لیں تو ہم کہیں بھی رہتے ہوں۔ ہم ایک معاشرے کا حصہ ہیں اور معاشرہ کوئی بھی ہو اس کی بنیادی اکائی خاندان ہوتا ہے۔ خاندان دو لوگوں کے رشتہ ازدواج میں منسلک ہونے سے وجود میں آتا ہے۔ میاں بیوی خاندان کی گاڑی کے دو پہیے ہیں ان کی بہترین کارکردگی کے لیے ضروری ہے کہ دونوں ایک دوسرے کا خیال رکھیں اور محبت کی خوراک متوازن ملتی رہے۔ اگر ہم اشفاق احمد اور بانو قدسیہ کی تحریروں کو دیکھیں تو ہمیں جگہ جگہ خاندانی نظام اور معاشرتی اصلاح نظر آتی ہے۔ اشفاق احمد نے متعدد موضوعات پر افسانے لکھے ہیں اور انھوں نے محبت کو کئی زاویوں سے بیان کیا ہے۔ میاں بیوی کے درمیان محبت ایک فطری عمل ہے جس کو دونوں افسانہ نگاروں نے مختلف زاویوں سے بیان کرنے کی کوشش کی ہے۔ کئی افسانوں میں خاوند اپنی بیوی سے شدید محبت کرتا دکھایا جاتا ہے اور کہیں عورت کی بے پناہ محبت اور قربانی کو بیان کیا جاتا ہے۔

اس ضمن میں اگر ہم اشفاق احمد کے افسانہ "بابا" میں "ایلین" جو کہ ایک انگریز خاتون ہے، اپنے میاں سے بے پناہ محبت کرتی ہے۔ اس کی خاطر اپنا ملک چھوڑ کر ہندوستان چلی آتی ہے۔ اس کی طرزِ زندگی اور روایات کو اختیار کر لیتی ہے۔ اسی طرح وہ اپنے سسر کا خیال رکھتی ہے۔ ایلین کا شوہر وحید بھی اپنی بیوی سے بہت محبت کرتا ہے اس کے مذہب کا احترام کرتا ہے اور ایلین کے زرا سا غمگین ہونے پر اسے دلاسے دینے لگ جاتا ہے۔ اسے پیار کرتا ہے اسے اعتماد دیتا ہے۔

اسی طرح اگر ہم بانو قدسیہ کے افسانہ "تدبر لطیف" کو دیکھیں تو اس میں بانو قدسیہ نے میاں بیوی کی شدید محبت کو بیان کیا ہے۔ اس افسانے میں ملک احتشام کو اپنی بیوی سے بہت محبت ہوتی ہے۔ ملک احتشام دل کا مریض ہوتا ہے اور اسے ہر وقت فکر رہتی ہے کہ وحیدہ اس کے مرنے کے بعد کیا کرے گی۔ اس کا خیال کون رکھے گا۔ خاوند کو اپنی بیوی سے اس قدر محبت ہوتی ہے کہ وہ اپنی بیوی کو کبھی بھی بے سہارا نہیں چھوڑنا چاہتا اور اپنی زندگی میں ہی اپنی بیوی کے لیے کوئی سہارا بنانا چاہتا ہے۔ جب ڈاکٹر ملک احتشام کو یہ بتاتا ہے کہ اس کے پاس وقت بہت کم ہے تو ملک احتشام اپنی بیوی کے لیے بہت پریشان ہو جاتا ہے اور ہر وقت یہی سوچتا رہتا ہے کہ اس کے مر جانے پر وحیدہ کا کیا بنے گا۔ اشفاق احمد ملک احتشام کے جذبات کو اس طرح بیان کرتے ہیں:

"ملک صاحب سوچتے اس وحیدہ کا کیا بنے گا؟ یہ تو سنتی بھی کم کم ہے اور دیکھتی بھی زیادہ نہیں۔ بیٹے کے پاس امریکہ رہنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ لیکن بیٹی کے پاس بھی جا کر کیا کرے گی۔ اسے تو بچوں کے علاوہ کچھ سوجھتا ہی نہیں وہاں اس کا کیا بنے گا۔"(۱۱)

شوہر کی اپنی بیوی کے لیے یہ فکر اس کی محبت کی دلیل ہے جو خود موت کے دہانے پر کھڑا ہونے کے باوجود اپنی بیوی کی فکر کر رہا ہے۔ بانو قدسیہ نے اپنے کئی اور افسانوں میں بھی میاں بیوی کی محبت کو والہانہ انداز میں بیان کیا ہے۔ بانو قدسیہ کا افسانہ "ایک دو اور تیسرا وہ" میں بھی بانو قدسیہ نے شوہر کی محبت کو بیان کیا ہے جو اپنی بیوی کی توجہ حاصل کرنے اور اس کی محبت کو پانے کے لیے کئی جتن کرتا ہے۔ عبدالکریم جو کہ اپنی بیوی بتول سے بے حد محبت کرتا ہے اور بتول اپنے بیٹے سے شدید محبت کرتی ہے۔ عبدالکریم بتول کی توجہ حاصل کرنے کے لیے بتول کے بیٹے سے محبت کرتا ہے۔ اس کی ضروریات اور پڑھائی پر خاص توجہ دیتا ہے۔ یہ بات بھی بتول کو اچھی نہیں لگتی اور وہ عبدالکریم کو منع کر دیتی ہے، پھر جب بتول عبدالکریم کا دودھ کا واحد ذریعہ معاش اپنے بیٹے کے سپرد کرتی ہے تو عبدالکریم اپنی بیوی کی خوشی کے لیے کسی بھی کام کو کر گزرنے کے لیے تیار رہتا ہے۔ بانو قدسیہ لکھتی ہیں:

"عبدالکریم نے سرمد کی تربیت سے ہاتھ اٹھالیا۔ وہ بتول سے اس درجہ محبت رکھتا تھا کہ سرمد کو کچھ کہہ کر بتول کی بچی کھچی محبت سے ہاتھ دھونا نہیں چاہتا تھا۔"(۱۲)

درج بالا اقتباس شوہر کی بیوی کے لیے شدید محبت کو واضح کرتا ہے۔ اس افسانے میں اشفاق احمد نے یہ بیان کرنے کی کوشش کی ہے کہ شوہر کس طرح اپنی بیوی کا خیال رکھتا ہے اور کس قدر بیوی کی محبت کا متلاشی ہے۔ اس ضمن میں ہم اگر اشفاق احمد کے افسانہ "دوپہر ویلے" کا جائزہ لیں تو ہمیں بیوی اپنے شوہر سے بے پناہ محبت کرتی دکھائی گئی ہے۔ ہمارے معاشرے، مذہب اور اسلامی اقدار کے مطابق بیوی کے لیے شوہر مجازی خدا کا درجہ رکھتا ہے۔ اس لیے شوہر سے جنونی محبت ہو جانا ایک فطری عمل ہے۔ افسانہ دوپہر ویلے میں سلیمان اور اس کی بیوی رسولاں کی کہانی ہے۔ رسولاں اپنے خاوند سے بہت محبت کرتی ہے۔ جب اس کے بچے سلیمان کو تنگ کرتے ہیں تو وہ اپنے بچوں کو سختی سے ڈانٹتی ہے اور انھیں اپنے باپ کو تنگ کرنے سے روکتی ہے۔ اشفاق احمد لکھتے ہیں:

"دونویں ایانے بھکھے باگھ بن کر بوٹی پر جھپٹے تو رسولاں نے ڈوئی اُچا کے آکھیا بوٹی کیوں ہتھ لایا تو میں ہڈیاں توڑ کے چورا بنادوں گی وچار انمانا مرنا کھپا آوندہ اے تے ایہہ بگھیلے اگے سے ٹکر جاتے ہیں۔ خبردار برے ہو کر مرو۔"(۱۳)

درج بالا اقتباس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اشفاق احمد نے پنجاب کی روایتی بیوی کو موضوع بنایا ہے جو اپنے خاوند سے بے پناہ محبت کرتی ہے اور اس کے آرام میں کسی قسم کا کوئی خلل نہیں ڈالتی اور بچوں کو بھی ڈانٹتی رہتی ہے کہ وہ اپنے باپ کو تنگ نہ کریں۔ اشفاق احمد نے اس افسانے میں میاں بیوی کی محبت کا انوکھا زاویہ بیان کیا ہے۔

اس ضمن میں بانو قدسیہ کے افسانے "توجہ کی طالب" کا ذکر کر سکتے ہیں۔ "توجہ کی طالب" میں بانو قدسیہ نے جہاں رومانوی کہانی بیان کرتے ہوئے نصرت کے آٹھ عشق بیان کیے ہیں۔ نصرت ہر عشق اور عاشق کو سچا سمجھ کر اسے اپنا سب کچھ سونپ دیتی ہے، تمام عشق ناکام ہو جاتے ہیں، دوسری طرف بانو قدسیہ ایک ایسی عورت کی کہانی بیان کرتی ہیں جو محض اپنے شوہر کی توجہ پانے کی خاطر سسرال میں ہر کسی کی خوشامد اور خدمت کرتی رہتی ہے۔ ان سب میں وہ اپنے آپ اور اپنی اولاد کو نظر انداز کر دیتی ہے۔ جب اسے اپنے خاوند کی طرف سے وہ توجہ اور محبت نہیں ملتی جس کی وہ طالب ہے، جب کہ وہ اپنے دل میں بے شمار محبت لیے پھرتی ہے۔ اس صورت حال میں وہ اپنی محبت اور شفقت پورے خاندان پر نچھاور کرتی رہتی ہے، بانو قدسیہ لکھتی ہیں:

> "نصرت کی اماں سارے گھر میں ویٹو کی حیثیت رکھتی تھی۔ اماں نے اپنے سسرال میں عجیب قسم کی زندگی بسر کی تھی۔ کچھ عرصہ اسے نئے برتن کے لیے کبھی یہاں کبھی وہاں رکھا گیا۔ شوہر نے چند سال جسمانی لذت کے لیے استعمال کیا اور پھر غافل ہو گیا۔ اماں نے ابا کو واپس لانے کے ہزار جتن کیے لیکن اس کا کوئی بوم دنگ اس تک واپس نہ آیا۔ ایسے میں جب اس کے پاس دینے کو لاکھوں من محبت تھی اور اس جنس کے اصلی خریدار کو دوسری عورتوں سے فرصت نہ تھی۔ اماں نے اس محبت سے دوست، دشمن پر کمندیں ڈالنا شروع کر دیں۔ اب سارے گھر میں اس کی شفقتوں، اس کی قربانیوں کے چرچے تھے۔ سارے خاندان میں شاید ہی کوئی ایسا رشتہ دار باقی ہو جس پر عصمت بیگم کی پوری توجہ نہ پڑی ہو۔ پلٹن بھر لڑکے اس گھر سے تعلیم حاصل کر کے رخصت ہوئے۔ کئی ٹیڑھی مینگی لڑکیوں کے ایسے ناطے کرا دیے کہ خود لڑکیوں کو باقی ساری عمر اپنی خوش نصیبی پر رشک آتا رہا۔ کئی پھوپھیاں، خالائیں، عدت، زچگی، بیماریوں کا عرصہ خوشی خوشی گزار کر گئیں۔" (۱۴)

اگر ہم اشفاق احمد اور بانو قدسیہ کے افسانوں میں محبت کے موضوعات کا جائزہ لیں تو ہمیں خاندانی حالات اور میاں بیوی کی محبت کے موضوعات میں بانو قدسیہ کا پلڑہ بھاری نظر آتا ہے۔ بانو قدسیہ نے اپنے متعدد افسانوں میں مختلف زاویوں سے میاں بیوی کی محبت کو بیان کیا ہے۔ اشفاق احمد نے میاں بیوی کی ازدواجی زندگی کو بھی کئی افسانوں میں بیان کیا ہے۔ اس سلسلے میں بانو قدسیہ کے افسانوی مجموعہ "طلسم ہوش

افزاء" میں شامل افسانہ "بدنی ضرورت" قابلِ ذکر ہے۔ "بدنی ضرورت" میں اشفاق احمد نے سائنسی اصولوں کے پیشِ نظر اور انسانی فطرت کے مطابق مرد اور عورت کی ایک دوسرے کو جو ضرورت پیش آتی ہے اس کو موضوع بنایا ہے۔ اشفاق احمد نے جسمانی ضرورت کی بات کی ہے۔ وہاں محبت میں خلوص کا بھی ذکر کیا ہے۔ صدیق اور رضیہ کی محبت گلی کی ایک دہی بھلوں کی دکان سے شروع ہوتی ہے۔ دونوں میں ایک دوسرے کے لیے محبت کے جذبات شدت اختیار کرتے ہیں تو وہ شہر چھوڑ کر بھاگ جاتے ہیں۔ کچھ وقت تو بغیر نکاح کے ایک دوسرے کی بدنی ضرورت پوری کرتے ہیں، پھر شادی کر لیتے ہیں۔ دونوں کی محبت میں جب تک خلوص تھا دونوں ایک دوسرے سے مطمئن رہے پھر اچانک صدیق اور رضیہ ایک دوسرے سے پیچھے ہٹنے لگے۔ دونوں کے دل میں عجیب طرح کے شکوک و شبہات پیدا ہونے لگتے ہیں۔ صدیق سمجھتا ہے کہ رضیہ کو اب صرف پیسے کی ضرورت ہے۔ اس لیے وہ مسلسل گھر پہ پیسے اور ضرورت کی چیزیں مہیا کرتا رہتا ہے۔ ادھر رضیہ یہ سمجھتی ہے کہ اس کو محض پیسوں اور چیزوں کی ضرورت نہیں ہے۔ اس سارے قصے میں رضیہ کے خلوص میں کمی نہ آئی۔ سارا قصور صدیق کا تھا۔ جس کو اشفاق احمد یوں بیان کرتے ہیں:

> "اور یہ صرف صدیق ہی کے جسم کا قصور تھا جس میں اچانک ایسی تبدیلی پیدا ہوئی جس سے رضیہ کا بدن اس کا دشمن بن گیا تھا۔ وہ جراثیم جنھوں نے دونوں جسموں کے درمیان بڑی محبت اور دونوں بدنوں کے اندر اپنے ردِ عمل سے بھائی بندی اور خویش پروری کی مدھ بھری مدہوشی پیدا کر رکھی تھی وہ صدیق کے بدن کی غداری اور سرکشی سے بیکٹیریا کشی کا قبرستان بن گیا۔" (۱۵)

اسی طرح میاں بیوی کے درمیان محبت پھر آہستہ آہستہ نفرت اور مخالفت میں بدلتی گئی۔ اشفاق احمد نے جہاں رضیہ اور صدیق کی بے پناہ محبت کو بیان کیا ہے وہاں پر وہ ان کا ایک دوسرے کے لیے نفرت جو محض غلط فہمیوں کی وجہ سے ہوتی ہے اس کو بیان کر کے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ ازدواجی رشتہ فقط ضروریات کو پورا کرنے سے قائم نہیں رہتا بل کہ میاں بیوی کے درمیان محبت اور خلوص کا ہونا بے حد ضروری ہے۔

اس ضمن میں اگر ہم بانو قدسیہ کے افسانہ "تجدیدِ وفا" کو دیکھیں تو بانو قدسیہ نے وہاں میاں بیوی کو راج ہنس کی طرح بیان کیا ہے جو ایک کے مر جانے پر ساری عمر اس کا سوگ مناتا ہے اور اس کے بعد تنہا زندگی گزارتا ہوا نظر آتا ہے۔ بانو قدسیہ کے افسانہ "تجدیدِ وفا" میں میاں بیوی کی شدید محبت کو موضوع بنایا گیا ہے۔ جس میں بانو اور اس کے خاوند اختر کی کہانی کو بیان کیا گیا ہے، دونوں بہت ہنسی خوشی زندگی گزار رہے ہوتے ہیں۔ مری کے خوبصورت مقام پر اور اسی کی دوسری کئی جگہوں پر دونوں ساتھ ساتھ رہتے ہیں۔ اسی دوران ان کو ایک اور جوڑا نسیم اور اس کا منگیتر ملتے ہیں، نسیم اور بانو کی دوستی ہو جاتی ہے۔

ایک سال بعد بانو بچے کی پیدائش کے دوران فوت ہو جاتی ہے، نسیم کا منگیتر بھی اس سے جدا ہو جاتا ہے۔ اب یہ ہنس کی طرح اپنے ساتھی کی جدائی کا سوگ منا رہے ہوتے ہیں۔ اختر کو جب لاہور میں سکون نہیں ملتا تو وہ بانو کی تلاش میں مری کا رُخ کرتا ہے۔ اسے یہ لگتا ہے شاید وہ مری جائے گا اور بانو کو وہاں دیکھ سکے گا۔ حالاں کہ وہ جانتا ہے کہ بانو تو اس کو چھوڑ کر مالکِ حقیقی کے پاس چلی گئی ہے۔ مگر وہ اپنی بیوی سے وفا کرنے کے لیے ہر اُس جگہ جاتا ہے جہاں بانو اور اختر نے ساتھ ساتھ وقت گزارا ہوتا ہے۔ اس افسانہ میں میاں بیوی کی محبت اور وفا معراج پر پہنچ ہوتی ہے۔ بانو قدسیہ لکھتی ہیں:

> "اس کے لیے یہاں آنا ناگزیر تھا۔ اسے یادوں کا سہارا ہی نہ لینا تھا بل کہ اسے بانو کی ابھی تک تلاش تھی۔ جب پچھلے سال اسی ماہ میں اپنا ماہِ عسل منانے وہ یہاں آیا تھا تو کاٹیج کے سامنے لگی ہوئی بیل میں گلاب کے پھول لگے ہوئے تھے۔ بانو نے زرد ساڑھی پہن رکھی تھی اور وہ نئی بیاہی ہوئی ہنس لگتی تھی۔۔۔ ایک ماہ بھر کے وقفے میں اس گھر کی ہر چیز پر کیوں کہ اپنی مہریں ثبت کر دی تھیں اس کا بھلا تسنیم کو کیا علم تھا۔ اس دنیا میں بانو کا اور رہ بھی کیا گیا تھا یہی تو ایک جگہ تھی جس سے بانو نے عشق کیا تھا۔ پھر بھلا وہ ایک ہی سال میں اس کے وجود سے بے خبر کیوں کر ہو جاتا۔"(۱۶)

اشفاق احمد نے انسان کے تمام رشتوں میں محبت کو بیان کیا ہے۔ ان کی ہر کہانی گھوم پھر کر محبت پر ختم ہوتی ہے یا اس میں مختلف رشتوں کے درمیان محبت کو کئی زاویوں سے بیان کیا ہے۔ اشفاق احمد نے ماں باپ کی اولاد سے فطری محبت کو بھی موضوع بنایا ہے اور اپنے کئی افسانوں میں والدین اور بچوں کی محبت کو بیان کیا ہے۔ اشفاق احمد کے فسانہ "فہیم" میں باپ کی بچوں سے محبت اور نفرت کے بچوں پر ہونے والے اثرات کو بیان کیا ہے۔ اس طرح اشفاق احمد نے افسانہ دوپہر ویلے میں بھی بچوں کی والد سے محبت کو بڑے اچھے طریقے سے بیان کیا ہے۔ اسی طرح اشفاق احمد نے استاد شاگرد کے روحانی رشتوں میں محبت کو بیان کیا ہے۔ اس ضمن میں اشفاق احمد کا افسانہ "صفدر ٹھیلا" اور "عجیب بادشاہ" قابلِ ذکر ہیں۔ اسی طرح اشفاق احمد کے افسانہ "بابا" میں دادا اور پوتے کی مثالی محبت کو بیان کیا گیا ہے۔ اشفاق احمد نے اپنے افسانوں میں نا صرف انسانی رشتوں کے درمیان محبت کو بیان کیا ہے۔ بل کہ انسانوں کی جانوروں سے محبت کو بھی بیان کیا ہے۔ افسانہ "تلاش" میں اشفاق احمد نے احسان کی اپنے پالتو کتے کے لیے جو جنونی محبت بیان کی ہے اس کی مثال نہیں ملتی۔ اسی طرح افسانہ "گُل ٹریا" میں بھی پالتو جانوروں سے محبت کو بیان کیا گیا ہے۔

اشفاق احمد نے افسانہ "فہیم" میں بچوں کے لیے باپ کی محبت اور افسانہ "دوپہر ویلے" میں بچوں سے ہمیشہ پیار اور محبت سے پیش آنا چاہیئے۔بچوں کا باپ سے کھیلنا تربیت کا ایک ذریعہ ہے۔افسانہ فہیم میں جب فہیم کا ابا بچوں کو بار بار ڈانٹ رہا ہوتا ہے تو نانی اماں نے بچوں سے محبت کے بارے ان الفاظ میں اظہار کیا:

> "میرے اتنے بچے ہوئے۔نانی اماں نے پھر کہنا شروع کیا۔مگر تمھارے نانا نے کبھی ان کو پھول کی چھڑی تک نہ ماری۔کہا کرتے تھے بچے تو فرشتے ہوتے ہیں۔ان کو مارنا گناہ ہے۔تمھاری کراچی والی خالہ دن بھر محلہ کی تیلنوں اور جولاہی سہیلیوں سے کھیلتی رہتی اور جب شام کو گھر واپس آتی تو کپڑے میلی،جیکٹ اور جھونٹوں میں من من خاک میں دست پناہ لے کر مارنے لگتی تو گود میں اٹھا کر باہر نکل جاتے،میں کہتی تم اسے خراب کر دو گے تو الٹا مسکرانے لگتے کہ فرشتے کبھی خراب نہیں ہوتے۔"(۱۷)

اولاد سے محبت کے لیے اگر ہم بانو قدسیہ کے افسانوں کو دیکھیں تو ہمیں اولاد سے والہانہ محبت کے لیے سب سے پہلے "خانہ جنگی" جس میں ایک بیوہ اپنے بیٹے کو ہمیشہ اپنی آنکھوں کے سامنے رکھنا چاہتی ہے اور وہ اپنے بیٹے کے لیے بہت فکر مند رہتی ہے۔اس ضمن میں بانو قدسیہ کا افسانہ "ایک دو اور تیسرا وہ" میں ایک ماں کی اپنے بیٹے کے لیے محبت کو موضوع بنایا گیا ہے۔بتول جو کہ بیوہ ہو چکی ہے اپنے بیٹے سے بے پناہ محبت کرتی ہے۔عبدالکریم سے دوسری شادی بھی اپنے بچے کی پرورش کے لیے کرتی ہے ۔جب کہ عبدالکریم بتول سے بہت محبت کرتا ہوتا ہے،دوسری طرف بتول اپنے بیٹے کی محبت میں عبدالکریم کی محبت کی طرف کوئی تونہ نہیں دیتی۔عبدالکریم بتول کی توجہ حاصل کرنے کے لیے سرمد سے محبت کرنے لگتا ہے۔اس کی پڑھائی کا بندوبست کرتا ہے۔اس کی ضروریات کا خیال رکھتا ہے اور اس کو کھلونے وغیرہ بھی لا کر دیتا ہے۔بتول کو یہ بھی قبول نہیں ہوتا کہ اس کے بیٹے کو کوئی اور محبت کرے۔بانو قدسیہ لکھتی ہیں:

> "پورے تین سال کی کوشش کے باوجود نہ تو بتول کے دل کا راستہ بدلا نہ ہی عبدالکریم نے اپنی سی کوشش چھوڑی۔۔وہ چاہتا تھا کہ بتول کے ماؤنٹ ایورسٹ پر اس کے نام کا جھنڈا نصب ہو جائے۔۔لیکن وہاں تو پہلے ہی سرمدی عَلَم لگا ہوا تھا۔"(۱۸)

اس افسانے میں بانو قدسیہ نے ممتا کی محبت کو بڑے اعلیٰ طریقے سے بیان کیا ہے۔وہ لکھتی ہیں کہ اگر کوئی عورت جس کے اگر سات بچے بھی ہوں اور چھ جنت میں جائیں اور ساتواں دوزخ میں تو ماں اپنے اس ساتویں بچے کی تکلیف کو کم کرنے کے لیے اس کے ساتھ دوزخ میں جائے گی۔بانو قدسیہ کہتی ہیں کہ ماں کے لیے کوئی دوسرا رشتہ اتنا اہم نہیں ہوتا جتنا اس کے بچے وہ اپنے بچوں کے لیے کچھ بھی کر گزرتی ہے۔

اگر ہم اشفاق احمد اور بانو قدسیہ کے افسانوں میں رومانی موضوعات کی بات کریں تو بانو قدسیہ رومانی موضوعات کے اعتبار سے اچھے اور تعداد میں زیادہ افسانوں کی خالق ہیں۔ رومانی افسانوں میں بانو قدسیہ کا افسانہ "کلو"، "توجہ کی طالب"، "کاغذی ہے پیرہن"، "پریم جل"، "تجدیدِ وفا" اور "امر بیل" مثالی افسانے ہیں۔ محبت کے موضوعات پر اشفاق احمد نے بھی جو افسانے لکھے ہیں وہ کم ہونے کے باوجود اعلیٰ افسانوں میں شمار ہوتے ہیں۔

اشفاق احمد اور بانو قدسیہ کی افسانہ نگاری میں فکری جہت کے حوالے سے عشق و محبت پوری پوری رعنائیوں کے ساتھ موجود ہے۔ مگر ان کے انداز میں دوسروں کی طرح روایتی پن نہیں ہے۔ بل کہ انفرادیت کے ساتھ بہت سلجھے ہوئے انداز میں اس کا اظہار پایا جاتا ہے۔ ان کی افسانہ نگاری میں رومانیت کی جو کیفیات سامنے آتی ہیں اس میں افسانوی طرز سے زیادہ حقیقت کا رنگ نظر آتا ہے اور اظہارِ عشق و محبت میں بھی تہذیب کا دامن نہیں چھوڑتے اور راستے میں پیش آنے والی مشکلات کو دلکش الفاظ میں پُرو دیا ہے کہ جیسے تمام کیفیات خود ان پر ہی وارد ہوئی ہوں اور ان تمام مصائب سے خود گزرے ہوں۔ یوں اشفاق احمد اور بانو قدسیہ دونوں کا "محبت" کے جذبات کا اظہار اپنے اندر انفرادیت لیے ہوئے ہے۔

حواشی و حوالہ جات

۱۔ اشفاق احمد، ایک محبت سو افسانے، سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۸ء، ص:۱۳

۲۔ بانو قدسیہ، توجہ کی طالب، سنگِ میل، لاہور، ۲۰۱۸ء، ص۵۰۴

۳۔ اشفاق احمد، ایک محبت سو افسانے، ص:۳۹

۴۔ بانو قدسیہ، توجہ کی طالب، ص:۲۹۲

۵۔ اشفاق احمد، ایک محبت سو افسانے، ص:۱۰۲

۶۔ بانو قدسیہ، توجہ کی طالب، ص:۲۴۹، ۲۴۸

۷۔ ایضاً، ص:۲۵

۸۔ اشفاق احمد، گڈریا، سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۹ء، ص:۲۷، ۱۷

۹۔ بانو قدسیہ، توجہ کی طالب، ص:۳۱، ۳۰

۱۰۔ بانو قدسیہ، دست بستہ، سنگِ میل، لاہور، ۲۰۱۵ء، ص:۲۴

۱۱۔ بانو قدسیہ، توجہ کی طالب، ص:۳۸

۱۲۔ اشفاق احمد، ایک ہی بولی، سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۳ء، ص:۹۷

۱۳۔ بانو قدسیہ، توجہ کی طالب، ص:۵۶۷

۱۴۔ اشفاق احمد، طلسم ہوش افزاء، سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۵ء، ص ۱۱۰

۱۵۔ بانو قدسیہ، دست بستہ، ص:۲۲۷، ۲۲۶

۱۶۔ اشفاق احمد، ایک محبت سو افسانے، ص:۲۱

۱۷۔ بانو قدسیہ، دست بستہ، ص:۳۶

۱۸۔ اشفاق احمد، گڈریا، ص:۲۶